عدالتی مقدمات میں وکالت کا شرعی حکم

*محمد منشاء طیب

Islam is the complete code of life in all spheres of life. Provision of justice is one of the focused areas of Islamic shariah. If some one is not able to claim his right due to some reasons, shariah allows him to higher an advocate. Advocacy has become science. Islam lays guidelines that fundamental objective of the advocacy is to establish justice. In this article it has been discussed that how and in which circumstances, shariah allows to claimant and defendant to higher advocate.

زمانہ عصر نبوت سے جتنا دور ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مصداق، اسی قدر فتنوں سے بھرا ہوگا۔ دور جدید کا انسان آزمائشوں میں اس قدر گھرا ہوا ہے کہ اس کے لیے اپنے حق کا حصول بھی مشکل ہو چکا ہے۔ ہر طرف حق تلفیوں کا بازار سرگرم ہے۔ ان حالات میں اپنا حق لینے کے لیے بھی خاصی محنت اور تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ ہر شخص کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ اس مقصد کے لیے معتدبہ وقت صرف کر سکے اور نہ ہر شخص کے پاس اتنی صلاحیت اور کلام پر قدرت ہوتی ہے کہ اپنا حق ثابت کر سکے۔ اس کے برعکس جسے گفتگو پر دسترس ہوتی ہے وہ زورِ بیان کی وجہ سے ایسی چیزوں کو بھی اپنے حق میں کر دکھاتا ہے جن پر اس کا حق نہیں ہوتا۔ شریعت نے اس مسئلے کو نظر انداز نہیں کیا۔ عہد نبوی میں دو آدمی وراثت کے کسی مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> میں بشر ہوں، میرے پاس جب کوئی معاملہ لایا جاتا ہے تو فریقین میں سے ایک زیادہ قادر الکلام ہوتا ہے، میں اسے سچا سمجھتے ہوئے اگر کسی مسلمان کا حق اسے دے دوں تو وہ آگ کا ٹکڑا ہوگا۔ چاہے تو وہ لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔[1]
>
> یہ سن کر دونوں آدمی رو پڑے اور کہنے لگے کہ میرا حق بھی میرے بھائی کے لیے ہے۔[2]

دین اسلام انفرادی و اجتماعی ہر دو لحاظ سے کامل و اکمل دین ہے۔ مظلوم پر سے ظلم کو ختم کرنا اور حقدار تک اس کا حق پہنچانا اس کے بنیادی اہداف میں دشامل ہے۔ حقدار بعض اوقات قلتِ وقت یا قلتِ اظہار یا کسی اور سبب کی بنا پر اپنے حق کا دعویٰ خود نہیں کر سکتا تو ایسے حالات میں شریعت نے اسے اپنا وکیل مقرر کرنے کی اجازت دی ہے۔

---

*پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

عصرِ حاضر میں چونکہ وکالت کا معاملہ ایک فن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اس کی وجہ سے مظلوم کو ظالم اور ظالم کو مظلوم بنا کر پیش کیا جاتا ہے تو ضرورت اس امر کی تھی کہ اس کے اصول وقوانین منضبط کیے جائیں تا کہ تعاون علی الاثم و العدوان کا سدِّ باب ہو سکے۔ حالانکہ وکالت کو مشروع قرار دینے کا مقصد تو سہولت اور تعاون علی البر و التقوی تھا۔

اس مقالے میں اسی بات کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا جائے گا کہ کن احوال میں، کون سے اصول وضوابط کے تحت اور کن دائروں اور حد بندیوں میں رہتے ہوئے مدعی یا مدعا علیہ کو اپنا وکیل مقرر کرنے کی اجازت ہے۔ اس مسئلے پر فقہائے کرام نے اگرچہ مختلف مقامات عمومی گفتگو کی ہے تاہم انھوں نے خصوصی طور پر مقدمات میں وکالت پر ایک مقام پر بہت زیادہ گفتگو نہیں کی۔ کیوں کہ یہ مسئلہ موجودہ دور زیادہ شدت سے سامنے آیا ہے۔ ذیل میں وکالت کی تعریف کرتے ہوئے اس کے عدالتی پہلو کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

وکالت کی تعریف:

لغوی طور پر اس سے مراد حفاظت اور اعتماد ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ﴾ [۳]

''انھوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا محافظ ہے۔''

دوسرے مقام پر ہے:

﴿ انی توکلت علی اللہ ربی و ربکم ﴾ [۴]

''حضرت ھود علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ پر اعتماد کرتا ہوں، اپنے اور تمھارے رب پر۔''

اصطلاحی طور پر وکالت سے مراد ہے کہ اپنے تصرف اور حفاظت کے حقوق کسی دوسرے کو منتقل کر دینا۔

امام کاسانیؒ وکالت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

تفویض التصرف و الحفظ الی الوکیل [۵]

''حفظ وتصرف کا حق وکیل کو دے دینا۔''

ظاہری بات ہے کہ حقِ تصرف کی منتقلی جائز امور میں ہی ہو سکتی ہے جہاں نیابت شرعی طور پر درست ہو۔ دمشق کے مفتی امام شرف الدین موسی بن احمد الحجاوی وکالت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بانها استنابة جائز التصرف مثله فیما تدخله النیابة''[۶]

یہ عمومی وکالت کا بیان تھا۔ اب اس کے عدالتی پہلو کو ذکر کیا جاتا ہے۔ عدالتی پہلو سے مراد ہے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

مقدموں اور جھگڑوے کے تصفیہ میں کسی کو اپنا نائب بنانا۔ یعنی کسی حق کے اثبات کے لیے یا اعتراض کا جواب دینے کے لیے دوسرے کو گفتگو اور دلائل فراہم کرنے میں نائب بنانا۔

کسی دوسرے آدمی کو نائب اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ بہتر طریقے سے گفتگو کر سکتا ہے یا وہ جانتا ہوتا ہے کہ کن باتوں سے حق کا اثبات ہوسکتا ہے یا مدعا علیہ کا دفاع ممکن ہے۔ چونکہ اس میں سہولت ہے اور یہ انسانوں کی ضرورت بھی ہے تو قرآن وسنت میں اس کے جواز کے دائل ملتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فابعثوا حکما من اهله و حکما من اهلها﴾ ۷

میاں بیوی کے جھگڑے کی صورت میں ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور دوسرے حکم بیوی کے خاندان سے طے کر لیں۔ اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھیں تو اللہ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔ یہاں دونوں خاندانوں کی طرف سے جو حکم مقرر ہوگا وہ ان کی طرف سے وکالت کرے گا۔ اسی طرح قرآن کریم میں ایک اور مقام پر ہے:

﴿انما الصدقات للفقراء والمساکین و العاملین علیها..﴾ ۸

''بے شک صدقات فقراء ومساکین کے لیے اور اس پر کام کرنے والوں کے لیے اور۔۔''

یعنی عاملین مستحقین کی نیابت کرتے ہوئے اغنیاء سے صدقات وصول کرتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں بھی وکالت کے جائز ہونے کے بکثرت دلائل ملتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزامؓ کو قربانی کا جانور خریدنے کے لیے ایک دینار دیا تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک دینار کی قربانی خرید کر دو دینار میں فروخت کر دی اور ایک دینار کی ایک اور خرید لی۔ پھر جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قربانی مع دینار لے کر حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تجارت میں برکت کی دعا دی اور دینار صدقہ کر دیا۔ ۹

حضرت جابرؓ ایک دفعہ خیبر جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا کہ جب میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق لے لینا۔ ۱۰

مزید یہ کہ فقہ مقارن لکھنے والے معروف عالم ابن قدامہؒ نے وکالت کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ ۱۱

رہا معاملہ کہ یہ مستحب ہے یا مباح تو حسب حال بعض اوقات وکالت واجب اور بعض اوقات حرام ہوتی ہے۔ حرام اس صورت میں، جب اثم وعدوان اور معصیت وظلم کے لیے کی جائے اور واجب اس وقت، جب اس

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کے بغیر ظلم ہونے کا یقین ہو۔

اسلامی تاریخ میں تنازع کے معاملات میں وکالت کے کئی ایک واقعات ملتے ہیں۔مثلاً پانی کے تنازع میں حضرت علیؓ نے عبداللہ بن جعفرؓ کو اپنا وکیل بنا کر خلیفہ عثمانؓ کے پاس بھیجا۔۱۲

ابن عباس ؓ سے حدیث مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے اتنا ظلم ہی کافی ہے کہ تو ہر وقت جھگڑتا رہے۔۱۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمانِ مبارک ہے کہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو بہت جھگڑالو ہو۔۱۴

معصیت کے امور میں، حق کو باطل اور باطل کو حق دکھانے کے لیے وکالت جائز نہیں۔ وکیل بعض اوقات شر اور باطل کا تعاون کرتا ہے اور مجرم کے دفاع میں کوشاں رہتا ہے تو ایسی صورت میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہئے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ظالم ہونے کی صورت میں اس کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روک دیا جائے۔وکیل کو چاہئے کہ اگر اس کی وکالت کا طلب گار برحق ہے تو اچھی وکالت سے اس کی مدد کرے اور اگر وہ برحق نیں ہے تو اسے سمجھائے کہ وہ اپنا مقدمہ واپس لے لے اور اس کا بطلان اس پر واضح کرے۔

ذیل میں وکالت کی شرائط ذکر کی جاتی ہیں۔

تنازعات میں وکالت کی شرائط:

وکالت صرف انھی امور میں کی جاسکتی ہے جہاں وکالت کرنا شرعاً جائز ہو۔حرام امور میں وکالت نہیں ہوگی۔جائز امور تین طرح کے ہیں۔

1۔حقوق اللہ

2۔حقوق العباد

3۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مجموعہ

حقوق اللہ سے میری مراد ایسے جرائم ہیں جو بندوں کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتے اور حقوق العباد، جنھیں بندے معاف کر سکتے ہوں۔احناف۱۵ ،شوافع۱۶ اور حنابلہ۱۷ حقوق اللہ میں وکالت کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ان کے نزدیک یہ حدود اللہ ہیں اور حدود اللہ کا اثبات دلیل یا اعتراف کے ساتھ ہوتا ہے، مدعی کے دعوے سے نہیں۔اس لیے اُسے وکیل بنانے کی نہ ضرورت ہے اور نہ وہ بنا سکتا ہے۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

دوسرے یہ کہ شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں جبکہ وکالت تاکید و تائید پیدا کرتی ہے۔ حدود سے مراد ایسے جرائم ہیں جن کی سزا شریعت نے متعین طور پر طے کر دی ہے۔ مثلاً زنا کی حد، رجم یا سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی۔

حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ ایسے معاملات میں بھی وکالت جائز ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیسؓ سے فرمایا تھا:

((واغد یا انیس الی امراۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا فغدا نیس فاعترفت فامر بھا فرجمت)) ۱۸

''انیس! عورت کے پاس جانا، اگر وہ اعتراف کرلے تو اسے رجم کر دینا۔'' انیسؓ نے جب عورت سے باز پرس کی تو اس نے زنا کا اعتراف کرلیا، انھوں نے اس کے رجم کا حکم دیا پھر اسے رجم کر دیا گیا۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انیسؓ کو وکیل مقرر کیا۔ لہذا حدود کے اثبات میں مدعی کی بجائے وکیل کا بیان درست ہے۔ یعنی حدود کے اثبات میں وکالت ناجائز نہیں۔ اور یہ کہنا کہ وکالت تاکید و تائید پیدا کرتی ہے، درست نہیں۔ کیوں کہ مدعی خود جو دعوی کر سکتا ہے وہ اس کی طرف سے وکیل کر لیتا ہے۔ نہ وکالت کا یہ معاملہ آپ کے اس فرمان کے خلاف ہے:

((ادرء وا الحدود بالشبھات ما استطعتم)) ۱۹

''جس حد تک تم کر سکو شبہات کی بنا پر حدود کو ساقط کر دو۔''

حدود اللہ کے اثبات کے بعد اگلا معاملہ ان کے نفاذ اور استیفاء کا ہے۔ کیا نفاذ کے وقت یا مطالبۂ نفاذ میں وکالت درست ہے یا نہیں؟ مثلاً حد قذف میں نفاذ حد کے وقت مقذوف قاذف کی تصدیق کر دیتا ہے تو قاذف سے حد قذف ساقط ہو جائے گی۔ وکالت کی صورت میں، جبکہ مقذوف موجود نہ ہو، ایسا ممکن نہیں۔ لہذا بعض حنابلہ ۲۰ اور احناف ۲۱ نے حدود کے استیفاء میں وکالت کو درست قرار نہیں دیا۔ ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ بعض حدود میں مدعی کی معافی سے حد ساقط ہو جاتی ہے اور ایسا ممکن ہے کہ مدعی نے معاف کر دیا ہو مگر وکیل لاعلم ہو، جس سے حد لاگو ہو جائے گی وراس کا تدارک ممکن نہیں ہو سکے گا۔

جبکہ دوسری طرف بعض حنفیہ ۲۲، مالکیہ ۲۳ اور شافعیہ ۲۴ حدود اللہ کے اثبات کی طرح استیفاء میں بھی وکالت کو صحیح سمجھتے ہیں، خواہ اصل بندہ موجود ہو یا نہ ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ اصل بندہ جو جو مطالبہ کر سکتا ہے، اس کی غیر موجودگی یا موجودگی میں اس کا وکیل بھی کر سکتا ہے۔ رہا معافی کا معاملہ تو زنا، چوری جیسی حدود میں تو

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

معافی اثر انداز ہی نہیں ہوتی اور حدقذف میں قاذف کی تصدیق خلاف معمول ہے کیوں کہ اصل یہی ہے کہ بیان نہیں بدلتا خصوصاً جب بیان بدلنا اپنے ہی خلاف ہو۔ دوسرے یہ کہ حدیث ماعز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((اذھبوا به فارجموہ))

''اسے لے جاؤ اور رجم کردو۔''

مزید یہ کہ پیچھے ذکر کردہ حدیث انیسؓ میں بھی اثبات اور نفاذ میں حضرت انیسؓ کی وکالت واضح ہے۔ لھذا حدود اللہ کے اثبات اور استیفاء میں وکالت درست سمجھی جائے گی۔

اب آتے ہیں حقوق العباد کی طرف۔ مثلاً قصاص بندے کا حق ہے، وہ چاہے تو معاف کرسکتا ہے۔ قصاص کے اثبات کے لیے امام ابو یوسف [۲۵] کے نزدیک وکالت جائز نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قصاص کے معاملے میں اصل کا بدل قابل قبول نہیں ہوتا۔ مثلاً گواہوں میں عینی شاہد کی گواہی ہی قابل قبول ہوتی ہے، کسی عینی شاہد کی گواہی کی بنیاد پر کوئی اور شخص گواہی دے تو وہ قابل قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح وکیل مدعی کا بدل ہوتا ہے، لہذا قصاص کے مسئلے میں اس کی بات غیر معتبر ہے۔ بالفاظ دیگر امام ابو یوسف کے نزدیک صورت مسئلہ میں وکالت جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ قصاص کا اثبات اسے نافذ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اور نفاذ کے وقت چونکہ مدعی کی غیر موجودگی میں اس کی وکالت غیر معتبر ہوتی ہے اس لیے اثبات میں بھی یہی اصول کارفرما ہوگا۔

دوسری طرف مالکیہ [۲۶]، شافعیہ [۲۷]، حنبلیہ [۲۸] اور جمہور حنفیہ [۲۹] اثباتِ قصاص میں وکالت کے جواز کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ثبوت قصاص یا تو بینۃ (دلیل) سے متعلق ہے یا گواہان سے متعلق۔ مدعی کا دعوی اس کا وکیل پیش کردے تو مسئلے کی نوعیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اور یوں بھی قصاص بندے کا حق ہے، لہذا دیگر حقوق میں جواز وکالت کی طرح یہاں بھی یہ درست ہے۔

البتہ مطالبۂ نفاذِ قصاص کا معاملہ کچھ مختلف ہے۔ قصاص کا معاف کردینا شرعاً مستحسن قدم ہے اور اس بات قوی احتمال موجود ہوتا ہے کہ قصاص کا مطالبہ کرنے والا مدعی بوقتِ نفاذ، قصاص معاف کردے۔ اس کی موجودگی یا غیر موجودگی میں اس کے عفو کا احتمال موجود ہوتا ہے جس سے حد قصاص ساقط ہوسکتی ہے۔ لہذا یہاں وکالت کا جواز ایک احتمال عفو کو نظر انداز کردینے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احناف [۳۰] اور شوافع [۳۱] نے موکل کی غیر موجودگی میں دریں صورت مسئلہ، وکالت کو درست قرار نہیں دیا۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

حقوق العباد کی دوسری قسم قرض، ارض وغیرہ یا دیوانی مقدمات سے متعلق ہے۔ اس میں فریق مخالف کی اجازت اور عدم اجازت کا مسئلہ ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک موکل کی موجودگی میں اس کی طرف سے وکالت تبھی معتبر ہوگی جب فریق مخالف کی رضامندی شامل حال ہو۔ دوسرے یہ کہ جھگڑوں کو شریعت نے ختم کرنے کی کوشش کی ہے اور ایسے شخص کو خوش خبری دی ہے جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہ کرے۔ جبکہ موکل کا اپنے وکیل سے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جھگڑا کرے۔ ہاں باحیا خواتین جو مردوں سے مخالطت نہیں کرتیں وہ اپنا وکیل مقرر کرسکتی ہیں۔ متاخرین احناف کا یہی مذہب ہے۔ ۳۲

اس کے برعکس جمہور مالکیہ ۳۳، شافعیہ ۳۴ اور حنابلہ ۳۵ وغیرہ نے فریق مخالف کی رضامندی کو غیر مؤثر قرار دیتے ہوئے موکل کی موجودگی میں وکیل کی وکالت کو درست قرار دیا ہے۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے خلاف حویصہ اور محیصہ کا دعوی سنا تھا اور یہ عبدالرحمٰن بن سھل کے نائب تھے۔ وہ خود بھی مقدمے میں حاضر تھے۔ ۳۶

بہر حال لڑنا مدعی کا حق ہے اور وہ اپنا یہ حق خود بھی استعمال کرسکتا ہے اور اپنے وکیل کو تفویض بھی کرسکتا ہے۔ مدعا علیہ کی اجازت لازمی نہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب رہے گی کہ مدعی کی طرح مدعا علیہ بھی وکیل مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے اگرچہ مالکیہ میں سے سحنونؒ نے اس کی مشروط اجازت دی ہے کہ وہ مریض ہو یا باحیا عورت ہو یا اس کے پاس وکالت کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو۔ ۳۷

جن مقامات پر وکالت جائز ہے وہاں وکالت کے ثبوت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ لہذا اب اس کی وضاحت کی جاتی ہے:

ثبوتِ وکالت:

صورت مسئلہ میں اگر وکالت جائز ہو پھر وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ مدعی یا اپنے طالب کی طرف سے اپنے وکیل ہونے کا ثبوت فراہم کرے۔ لہذا مدعی کو چاہئے کہ کسی کو اپنا وکیل مقرر کرتے ہوئے عدالت میں دو گواہ بنائے جیسا کہ فقہ شافعی کی مشہور کتاب الاقناع میں کہ اگر دو شخص عدالت میں آئیں اور ان میں سے ایک، دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کرے مگر اس پر گواہ قائم نہ کرے پھر وہ چلا جائے۔ اس کے بعد فریق ثانی اس کی وکالت کا انکار کردے تو وکیل کو ثبوت فراہم کرنا پڑے گا کیوں کہ حاکم یا جج اپنے علم کی بنا پر فیصلہ نہیں کرسکتا بلکہ اس کے فیصلے کی بنا دلیل اور گواہی پر ہوتی ہے۔۔۔ ۳۸

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

موجودہ حق تلفیوں کے دور میں ضروری ہے کہ جج اپنے علم کی بنیاد پر نہیں، گواہی اور دلیل کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔ تاہم احناف[۳۹] اور شوافع[۴۰] اپنے ایک قول میں اس بات کے قائل ہیں کہ قاضی یا جج اپنے علم سے فیصلہ کر سکتا ہے لہٰذا دو گواہ قائم ہونا ضروری نہیں۔

وکیل کے سماعِ دعویٰ سے پہلے وکالت کا ثابت ہونا ضروری ہے۔ امام زفرؒ[۴۱] کا یہی قول ہے۔ ہاں ثبوتِ وکالت کے لیے دو مذکر عادل گواہ ہونے چاہئیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿و اشهدوا ذوی عدل منکم﴾ [۴۲] ''اور اپنے میں سے دو مذکر عادل گواہ بنالو۔''

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اثنان ذوا عدل منکم﴾ [۴۳] ''تم میں سے دو عدل والے مذکر گواہ۔''

البتہ قرض، دیون اور اموال کے مسئلے میں وکالت کی گواہی کے لیے ایک آدمی اور دو عورتیں یا ایک آدمی اور مدعی کی قسم بھی کافی ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے:

﴿فاستشهدوا شهیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل و امرتان ممن ترضون من الشهداء ..﴾ [۴۴]

یعنی انھیں مال پر گواہ بنایا جا سکتا ہے تو مسئلۂ مال کی وکالت پر بالا ولیٰ گواہ بنایا جا سکتا ہے۔

ثبوت وکالت کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ موکل نے اپنے وکیل کو معطل نہ کیا ہو۔ تنازعات میں مدعی یا مدعا علیہ اپنے وکیل کو ختم کر دے یعنی اس کی وکالت باطل قرار دیدے تو اس کی وکالت از خود ختم ہو جائے گی کیوں کہ طالب وکالت نے اپنی طلب ختم کر دی۔

اگر مدعی یا مدعا علیہ باطل پر ہوں یا ظلم پر مبنی دعوے پر قائم ہوں تو وکیل ان کی وکالت نہیں کرے گا۔ فقہائے کرام نے تنازعات میں صحت وکالت کے لیے یہ شرط لازمی قرار دی ہے کہ وکالت صرف حق بات کی کی جا سکتی ہے، ناحق کی نہیں۔ جیسا کہ حنبلی فقہ کی کتاب تبصرۃ الحکام میں ہے:

و لا تجوز الوکالة عن المتهم بدعوی الباطل و لا المجادلة عنه.[۴۵]

باطل دعوے سے متہم آدمی کی طرف سے وکالت کرنا یا جھگڑا کرنا جائز نہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿و لا تکن للخائنین خصیما﴾[۴۶]

''خائنوں کے لیے آپ جھگڑا کرنے والے نہ بنیں''

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ایک حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من اعان علی خصومة بظلم فقدباء بغضب من اللہ)) ۴۷

جس نے ظلم پر مبنی جھگڑے میں کسی کی مدد کی، وہ اللہ کے غصے کا شکار ہوگا۔

فریق مخالف کی خیر خواہی:

وکیل کرتے ہوئے یہ بھی ضروری ہے کہ وکیل کے ذریعے فریق ثانی کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو۔ مالکیہ کے مشہور فقیہ ابن فرحون لکھتے ہیں کہ جس نے وکالت اس لیے کرائی کہ فریق ثانی کو ضرر پہنچائے تو اس کی توکیل قابل قبول نہیں۔ ۴۸ بلکہ امام اعظم ابو حنیفہؒ وکالت میں مخالف فریق کی رضامندی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ ان کے پیش نظر بھی فریق ثانی کو ضرر سے بچانا ہے۔

موجودہ دور میں فقہاء کی شرط بہت اہم ہے۔ آج کل لوگ ایسے وکیل کو پسند کرتے ہیں جو مخالف پارٹی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جو اپنے زورِ بیان سے حق کو باطل اور باطل کو حق کر دکھاتا ہو۔ فقہائے مالکیہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ مدعی ایسا وکیل مقرر نہیں کر سکتا جو مدعی علیہ سے دشمنی اور مخاصمت رکھتا ہو۔ ۴۹

تعدد وکلاء:

وکالت کے مسئلے میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ تنازع میں طالب وکالت کا وکیل صرف ایک ہوگا یا زیادہ وکیل بھی ہو سکتے ہیں؟ زیادہ وکیل ہونے کی صورت میں ان کے اختیارات کیا ہوں گے۔ مالکیہ ۵۰ کے نزدیک ایک مسئلے میں دو وکیل نہیں ہو سکتے۔ جبکہ جمہور احناف ۵۱، شوافع ۵۲ اور حنابلہ ۵۳ کے نزدیک ایک وکیل کی تحدید ضروری نہیں۔ ضرورت ہو تو ایک سے زیادہ وکیل بھی کیے جا سکتے ہیں۔ اگر ایک سے زیادہ وکیل ہوں تو کسی بھی فیصلے میں یا اقدام اٹھانے میں ان کا آپس میں مشورہ ضروری ہے الا کہ مؤکل اپنے وکلاء کو انفرادی طور پر فیصلہ کرنے کے اختیارات تفویض کر دے۔ جیسا کہ شافعیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اگر مؤکل ہر وکیل کو مستقل حیثیت دینے کی تصریح کر دے تو ٹھیک ورنہ ایک وکیل کے اقدامات معتبر نہ ہوں گے۔ ۵۴

تصرفات وکیل:

وکیل کے اقدامات اور تصرفات کے حوالے سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ کسی امر کا اعتراف یا انکار کر سکتا ہے یا اس نے صرف ثبوت یا دفاع کے دلائل دینا ہوتے ہیں؟ یا یہ کہ کیا مؤکل اپنے وکیل پر عدم اعتراف یا عدم

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

انکار کی شرط عائد کرسکتا ہے؟ ذخیرہ فقہ کی روشنی میں موکل اپنے وکیل کے تصرفات کے بارے میں صراحت کرے گا اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ عدم اقرار یا عدم انکار کی شرط عائد کردے۔ جیسا کہ ماوردی نے لکھا ہے:

فاذا وکلہ فی الاقرار عنہ فان لم یذکر القدر الذی یقر بہ و یصفہ لم یصح التوکیل فیہ ولم یکن اقرارہ لازما للمؤکل"۵۵

مال پر دسترس:

قرض و دیون اور مال کے مسائل میں وکیل کا کام موکل کا حقِ مال ثابت کرنا ہوتا ہے اور اگر موکل کے لیے مال کا حق ملکیت ثابت ہو جاتا ہے تو کیا وکیل اس مال کو اپنے قبضے میں لینے کا مجاز ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ تنازع کا مقصد یا نتیجہ مال کی ملکیت ہے۔ وکیل اگر تنازع اور ملکیت ثابت کرنے میں وکیل ہے تو اسے حاصل کرنے بھی وکیل ہوگا۔ جبکہ جمہور فقہاء اور امام زفر: کے نزدیک وکیل مال کو اپنے قبضے اور دسترس میں کرنے کا مجاز نہیں، لکھتے ہیں:

" الا ان المتاخرین من اصحابنا قالوا انہ لا یملک فی عرف دیارنا لان الناس فی زماننا لا یرضون بقبض المتقاضی کالوکلاء علی ابواب القضاۃ لتھمۃ الخیانۃ فی اموال الناس..۵۶

وکالت پر وکالت:

ایک شخص نے کسی تنازع میں اپنا وکیل مقرر کیا۔ کیا اب وہ وکیل اس تنازع میں کسی اور کو اپنی جگہ وکیل مقرر کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر تو موکل نے صراحت کردی کہ وہ اپنی جگہ دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے تو وہ ایسا کرنے کا مجاز ہے اور اگر موکل نے صراحت سے کہہ دیا کہ وہ دوسرے آدمی کو اپنی جگہ وکیل نہیں بنا سکتا تو وہ اپنے موکل، مدعی یا مدع علیہ، کی ہدایات کا پابند ہے۔ اور اگر موکل نے کچھ بھی نہیں کہا تو راجح قول کے مطابق وکیل آگے وکیل کرنے کا مجاز نہیں۔ یہ قول احناف ۵۷، اور شوافع ۵۸ کا ہے۔ معروف فقیہ ابن قدامہؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے ۵۹ کیوں کہ موکل نے اپنے وکیل کو اس کام کی اجازت نہیں دی اور وکالت کی صلاحیت مختلف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے۔ ممکن ہے موکل دوسرے بندے کی وکالت پر مطمئن نہ ہو۔

وکالت پر اجرت:

عوض کے بغیر وکالت کرنے میں فیہاء کے نزدیک شرعاً کوئی اعتراض نہیں البتہ اگر اس کا معاوضہ طے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہوتا ہے تو یہ دو طرح سے ہو سکتا ہے:

1۔اجرت

2۔جعالة

اگر تو معاوضہ بطور اجرت ہے تو معاوضے اور وقت کی تحدید ضروری ہے جیسا کہ اجرت کی شرائط میں شامل ہے۔رہا معاملہ معاوضہ بطور جعالت کے تو فقہائے احناف اسے جائز نہیں سمجھتے۔٦٠

مگر راجح بات یہ ہے کہ وکالت کا معاوضہ بطور جعالت بھی ہو سکتا ہے اسے کامیابی کے ساتھ مشروط نہ کیا جائے کہ معاوضہ تب ملے گا جب نتیجے میں کامیابی حاصل ہوگی۔یہ شرط صحیح نہیں۔جیسا کہ حافظ المغرب علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے:

لا یجوز ان یستاجر خصماً علی انه ان ادرك حقه كان له ما جعل له وان لم یدكه فلا شیء له علیه بل یجعل له جعلاً معلوما علی كل حال والا فیكون له اجرة مثله. ٦١

اگر درمیان میں وکالت کا معاملہ فسخ کر دیا جائے تو معاوضے کی صورت کیا ہوگی؟ اس کے بارے میں فقہاء عظام لکھتے ہیں کہ اگر وہ وکالت بطور اجرت ہو تو معاملے کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے۔٦٢ ہاں اگر وکالت بطور جعالت ہو تو مؤکل اور وکیل دونوں معاہدہ فسخ کر سکتے ہیں۔البتہ کام شروع کرنے سے پہلے فسخ ہو جائے تو کسی کے ذمے کچھ نہیں اور اگر کام شروع ہونے کے بعد مؤکل فسخ کرے تو وہ وکیل کو اجرت مثل دے گا اور اگر کام شروع ہونے کے بعد وکیل فسخ کرے تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔٦٣

وکالت کا فسخ اور اسباب فسخ

مؤکل اور وکیل کے مابین وکالت معاملہ دو طرح سے ہو سکتا ہے:

1۔معاوضے کے بغیر

2۔معاوضے کے ساتھ

معاوضے کے بغیر ہو تو راجح قول کے مطابق، چاہے تو مؤکل عقد وکالت ختم کر دے چاہے تو وکیل وکالت چھوڑ دے۔دونوں کو فسخ کا اختیار حاصل ہے جیسا کہ امام شافعی کے شاگرد رشید امام مزنیؒ لکھتے ہیں:

فان وكله بخصومة فان شاء قبل وان شاء ترك فان قبل فان شاء فسخ و ان شاء ثبت" ٦٤

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

یعنی قبول وترک میں بھی اسے اختیار ہے اور اگر قبول کر لے تو اسے چھوڑنے اور جاری رکھنے میں بھی اس کو اختیار حاصل ہے۔ حنابلہ کے مشہور فقیہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

”وجملته ان الوكالة عقد جائز من الطرفين فللمؤكل عزل وكيله متى شاء و للوكيل عزل نفسه“ ۶۵

یعنی وکالت طرفین کی جانب سے عقد جائز کی ایک صورت ہے۔ مؤکل اپنے وکیل کو جب چاہے معزول کرسکتا ہے اور وکیل کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ جب چاہے وکالت چھوڑ دے۔

رہا دوسری مسئلہ کہ موکل یا وکیل کو فسخ کا علم ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ تو فقہائے اربعہ کے ایک قول کے مطابق وکیل کو منسوخی وکالت کا علم ہونا ضروری ہے ۶۶

کیوں کہ اجرائے وکالت کے لیے اسے علم ہونا لازم ہے تو فسخ کے لیے بھی ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ معزول ہونے کے بعد اس کے کیے ہوئے معاملات باطل قرار پا جائیں گے اور اس طرح یہ چیز دوسروں کے لیے ضرر کا سبب بن سکتی ہے۔

اگر فسخ کے عدم علم سے کسی کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو فسخ کے لیے وکیل یا موکل کو علم ہونا ضروری ہے تا کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ یہ تو تھا وکالت ختم ہونے کا ایک سبب، یعنی موکل معزول کر دے یا وکیل خود وکالت ختم کر دے۔ اس کے علاوہ فسخِ وکالت کے درج ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:

اعتراف یا اقرار: وکیل کا تقرر دفاع کے لیے کیا جاتا ہے۔ اگر وہ مقدمے میں اپنے موکل کی جانت سے اعتراف جرم کر لیتا ہے یا اس کے خلاف اقرار کر لیتا ہے یا دوسرے لفظوں میں مقدمہ ہار جاتا ہے تو اس کی وکالت کا اختتام ہو جائے گا۔ یہ الگ بحث ہے کہ وہ اپنے موکل کی جانب سے اعتراف یا اقرار کر سکتا ہے یا نہیں۔

وکیل یا موکل کی موت: موکل یا وکیل کی موت سے وکالت کا معاملہ فسخ ہو جائے گا اور یہ ورثاء کو منتقل نہیں ہوگا۔ ہاں اسے جاری رکھنا ہو تو از سرنو معاہدہ کرنا ہوگا۔ وکیل کو موکل کی موت کا علم ہونا ضروری نہیں کیوں کہ اس کے عدم علم سے ضرر کا اندیشہ نہیں کہ وہ دفاع کر رہا ہے۔ ہاں اگر اس کے عدم علم سے ضرر کا اندیشہ ہو تو اسکے، اپنے موکل کی موت کے علم تک، کے معاملات معتبر سمجھے جائیں گے۔

سفاہت یا جنون: موکل یا وکیل دونوں میں سے کسی ایک کو بوجہ سفاہت اہلیتِ تصرف سے محروم کر دیا جائے تو وکالت کا معاملہ خود بخود فسخ ہو جائے گا کیوں کہ ایک فریق کے پاس تصرف کی اہلیت باقی نہیں رہی۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

البتہ اگر تصرف پر پابندی بوجہ افلاس لگائی جائے تو وہ معاہدۂ وکالت کے فسخ کا سبب نہیں بنتی۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ وکالت شرعا درست ہے۔اس میں شرعی اعتبار سے کوئی قدغن نہیں ہے۔فقہاء کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ہر دو معاملات میں وکالت شرعا جائز ہے۔البتہ وکالت کے لیے کچھ شرعی حدود و قیود کی پابندی لازم ہوگی۔

۱۔ وکالت کا مقصد صرف موکل کے لیے مقدمہ جیتنا نہیں بلکہ حق اور انصاف کا اثبات ہے۔

۲۔امور معصیت میں وکالت جائز نہیں۔

۳۔وکالت سے پہلے وکیل کو مدعی یا مدعا علیہ کی طرف سے وکیل ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا۔

۴۔ایک ہی مقدمہ میں ایک سے زائد وکلاء ہو سکتے ہیں،البتہ ان کے اختیارات کی تحدید ہونا ضروری ہے۔

۵۔وکالت پر وکالت موکل کی اجازت کے بغیر درست نہیں۔

۶۔وکالت پر اجرت جائز ہے اور باہمی اتفاق رائے سے کوئی بھی چیز طے ہو سکتی ہے۔

۷۔کسی ضرورت کے تحت فسخ وکالت بھی جائز ہے،البتہ وکیل اور موکل دونوں کو اس کا علم ہونا ضروری ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ مسلم،صحیح مسلم،حدیث:1713،دارالسلام للنشر والتوزیع،الریاض،1999ء

۲۔ ابن ابی شیبۃ،مصنف ابن ابی شیبۃ:426/8،دارالفکر،بیروت،1414ھ

۳۔ آل عمران173:3　　۴۔ هود56:11

۵۔ الکاسانی،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:19/6،دارالکتاب العربی،بیروت۔

۶۔ موسیٰ بن احمد،الاقناع فی فقہ الامام احمد:419/2،تحقیق عبداللہ الترکی،دار ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت۔

۷۔ النساء35:4　　۸۔ التوبۃ60:9

۹۔ ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، حدیث: 3386، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء

۱۰۔ الدارقطنی،علی بن عمر،سنن الدارقطنی،154/4،تحقیق:عبداللہ ھاشم،دارالمعرفہ،بیروت،1966ء

۱۱۔ ابن قدامۃ،عبد اللہ بن احمد،المغنی: 197/7،تحقیق: عبد اللہ بن عبد المحسن، دار ھجر للطباعۃ و النشر و التوزیع،1986ء

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۱۲ البیھقی، احمد بن الحسین، السنن الکبری: 81/6، تحقیق: محمد عبد القادر، مکتبۃ دار الباز، مکۃ المکرّمۃ، 1994ء
۱۳ الترمذی، جامع الترمذی، حدیث: 1994، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء۔
اس حدیث کی استنادی حیثیت اگرچہ کمزور ہے تاہم مفہوم کے اعتبار سے قابل قبول ہے۔
۱۴ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، حدیث: 2668، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء۔
۱۵ قاضی زادہ، تکملۃ فتح القدیر: 9/8، دارالکتب العلمیہ بیرت، 1415ھ
والزیلعی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: 256/4، دارالمعرفہ، بیروت۔
۱۶ محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفۃ المنھاج: 221/2، دارالفکر العربی، 1398ھ
۱۷ المرداوی، علی بن سلیمان، الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف: 451/13، تحقیق: عبداللہ الترکی، دار ھجر، بیروت۔
۱۸ مسلم، صحیح مسلم، حدیث: 1997,1998، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء۔
۱۹ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین: 384/4، دارالکتاب العربی، بیروت۔ لبنان
مرفوعا اس روایت کی تمام اسانید کمزور ہیں۔ البتہ ضعف خفیف اور کثرت اسناد کی وجہ سے یہ روایت قابل استدلال ہے۔
۲۰ الماوردی، الحاوی الکبیر: 517/6، تحقیق: علی محمد معوض، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1414ھ
والمغنی لابن قدامۃ: 203/7، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن، دارھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1986ء
۲۱ السرخسی، محمد بن احمد، المبسوط: 19/9، دارالمعرفۃ، بیروت، 1398ھ
۲۲ الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: 21/6، دارالکتاب العربی، بیروت۔ لبنان
۲۳ القرافی، احمد بن ادریس، الذخیرۃ: 6/8، دارالغرب الاسلامی، بیروت، 1994ء
۲۴ الماوردی، الحاوی الکبیر: 517/6، تحقیق: علی محمد معوض، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1414ھ
۲۵ الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: 21/6، دارالکتاب العربی، بیروت۔
۲۶ القرافی، احمد بن ادریس، الذخیرۃ: 6/8، دارالغرب الاسلامی، بیروت، 1994ء
۲۷ الماوردی، الحاوی الکبیر: 516/6، تحقیق: علی محمد معوض، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1414ھ
۲۸ ابن قدامۃ، المغنی: 199/7، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن، دارھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1986ء
۲۹ قاضی خان، حسن منصور، فتاوی قاضی خان مع الفتاوی الھندیۃ: 11/3، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
وابن الھمام، محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر: 468/7، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ
۳۰ الزیلعی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: 255/4، دارالمعرفہ، بیروت۔
۳۱ الماوردی، الحاوی الکبیر: 517/6، تحقیق: علی محمد معوض، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1414ھ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۳۲ ابن نجیم، ابراھیم بن محمد، البحر الرائق شرح کنز الدقائق: 144/7، دار المعرفة، بیروت، 1413ھ

۳۳ الحطاب، محمد بن محمد المغربی، مواھب الجلیل شرح مختصر خلیل: 165/7، تخریج: زکریا عمیرات، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1416ھ

۳۴ محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفة المنھاج: 220/2، دار الفکر العربی، 1398ھ

۳۵ ابن قدامة، المغنی: 420/2، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن، دار ھجر للطباعة والنشر والتوزیع، 1986ء

۳۶ مسلم، صحیح مسلم، حدیث: 4434، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء۔

۳۷ ابراھیم بن فرحون، تبصرة الحکام فی اصول الاقضیة ومناھج الاحکام: 134/1، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1416ھ

۳۸ موسیٰ بن احمد، الاقناع فی فقه الامام احمد: 443/2، تحقیق عبداللہ الترکی، دار ھجر للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت۔

۳۹ جماعة من علماء الھند، الفتاوی الھندیة: 569/3، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۴۰ ابن القاص، ادب القاضی: 207/1، تحقیق: حسین خلف، مکتبة الصدیق، الطائف، 1989ء

۴۱ الخصاف، ادب القاضی برقم: 336، ناشر: اسعد الحسینی، 1400ھ

۴۲ الطلاق 2:65 ۴۳ المائدة 106:5 ۴۴ البقرة 282:2

۴۵ ابراھیم بن فرحون، تبصرة الحکام فی اصول الاقضیة ومناھج الاحکام: 136/1، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1416ھ

۴۶ النساء 105:4

۴۷ ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، حدیث: 3598، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء

۴۸ ابراھیم بن فرحون، تبصرة الحکام فی اصول الاقضیة ومناھج الاحکام: 132/1، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1416ھ

۴۹ محمد علیش، منح الجلیل: 387/6، دار الفکر، بیروت، 1984ء

۵۰ مرجع سابق: 359/6

۵۱ الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: 32/6، دار الکتاب العربی، بیروت۔

۵۲ النووی، یحییٰ بن شرف، روضة الطالبین: 321/4، المکتب الاسلامی، 1405ھ

۵۳ ابن قدامة، المغنی: 206/7، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن، دار ھجر للطباعة والنشر والتوزیع، 1986ء

۵۴ زین الدین، الممتع فی شرح المقنع: 482/13، تحقیق: عبدالملک بن عبداللہ، دار خضر، بیروت، 1418ء

۵۵ الماوردی، الحاوی الکبیر: 515/6، تحقیق: علی محمد معوض، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1414ھ

۵۶ الکاسانی، بدائع الصنائع: 25/6

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۵۷۔ جماعۃ من علماء الھند، الفتاوی الھندیۃ: 566/3، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
۵۸۔ الرافعی، عبدالکریم بن محمد، العزیز شرح الوجیز: 235/5، تحقیق: علی محمد معوض، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1417ھ
۵۹۔ ابن قدامۃ، المغنی: 209/7، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن، دار ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1986ء
۶۰۔ خالد الجمیلی، الجعالۃ واحکامھا فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ص: 16
۶۱۔ ابن عبدالبر، الکافی فی فقہ اھل المدینۃ، رقم: 394، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1407ھ
۶۲۔ الحطاب، محمد بن محمد المغربی، مواھب الجلیل شرح مختصر خلیل: 171/7، تخریج: زکریا عمیرات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1416ھ
۶۳۔ الشافعی الصغیر، محمد بن ابی العباس، نھایۃ المحتاج الی شرح المنھاج: 476/5، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
۶۴۔ المزنی، اسماعیل بن یحیی، مختصر المزنی علی الام، رقم: 121، مطبوع مع الام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1413ھ
۶۵۔ ابن قدامۃ، المغنی: 234/7، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن، دار ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1986ء
۶۶۔ حوالہ سابق

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.